

جملہ حقوق بہ حق مؤلف محفوظ

نام کتاب	مسجد کی شرعی حیثیت
مؤلف	حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی
کمپیوٹر کتابت	مولانا محمد نصیر عالم سبیلی (شعبہ کمپیوٹرالمعہد العالی الاسلامی حیدرآباد)
سن اشاعت	ستمبر ۲۰۰۴ء
صفحات	۴۰
قیمت	روپے
باہتمام	المعہد العالی الاسلامی، حیدرآباد
ناشر	فرید بک ڈپو، نئی دہلی

ملنے کے دیگرتے

✽ المعہد العالی الاسلامی، تعلیم آباد، قبالوئی، پہاڑی شریف روڈ، حیدرآباد-۵

فون نمبر:- 040--24440294

✽ کتب خانہ نعیمیہ، دیوبند، سہارنپور (یو۔ پی)

✽ قرآن فاؤنڈیشن، مانصاحب ٹینک، حیدرآباد

فہرست مضامین

۴	۷	ابتدائیہ : مؤلف
۵	۷	پیش لفظ : جناب عبدالرحیم قریشی
۱۰	۷	قرآن مجید میں
۱۴	۷	احادیث نبوی ﷺ کی روشنی میں
۱۷	۷	ایک شبہ
۱۹	۷	قیاس
۲۰	۷	مسجد بیت
۲۱	۷	سواد اعظم کا نقطہ نظر
۲۲	۷	حنفیہ
۲۳	۷	امام محمدؒ کی رائے — ایک جائزہ
۲۵	۷	مالکیہ
۲۶	۷	شوافع
۲۸	۷	حنابلہ
۳۱	۷	حنبل مسلك — کچھ وضاحتیں
۳۵	۷	ایک قابل توجہ پہلو
۳۵	۷	مصلحت کا تقاضا

ابتدائیہ

گذشتہ سالوں میں بی بی جے پی حکومت خود مسلمانوں میں اس رجحان کو فروغ دینے کے لئے کوشاں تھی؛ کہ وہ بابرؒی مسجد سے دستبردار ہو جائیں اور اس کی جگہ یہاں مندر کی تعمیر کو قبول کر لیں، اس مقصد کے لئے بعض نام نہاد مذہبی شخصیتوں کو بھی تیار کیا جا رہا تھا، اسی پس منظر میں آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کے رکن اور ترجمان جناب ڈاکٹر قاسم رسول الیاس (ایڈیٹر افکارِ ملی) نے دفتر مسلم پرسنل لاء بورڈ کے کانفرنس ہال میں اس حقیر کا خطاب رکھا تھا، جس میں شہرِ دہلی کے دانشوروں، قانون دانوں اور علماء کی ایک بڑی تعداد نیز سپریم کورٹ کے بعض وکلاء بھی شریک تھے، خطاب کے بعد سوالات کے جواب دیئے گئے، اسی وقت قاسم رسول صاحب نے اس کو تحریری طور پر مرتب کرنے کی خواہش کی، پھر جناب عبدالرحیم قریشی (سکرٹری آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ و صدر کل ہند مجلس تعمیرِ ملت) نے بھی تعمیرِ ملت کے زیرِ اہتمام اسی موضوع پر خطاب رکھا، اور انھوں نے بھی اسے مرتب کرنے پر زور دیا، نیز حضرت مولانا سید نظام الدین صاحب دامت برکاتہم (جنرل سکرٹری آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ) کا بھی ایما ہوا کہ اس موضوع پر قلم اُٹھایا جائے، چنانچہ اسی خطاب کو بعض اضافوں کے ساتھ اس حقیر نے مرتب کیا، جو سماجی ”بحث و نظر“ کے شمارہ نمبر ۶۴ (ماہ جنوری - مارچ ۲۰۰۴ء) میں اشاعت پذیر ہوا، مختلف اہل علم اور بعض قائدین کے خطوط آئے اور زبانی طور پر بھی لوگوں نے اس تاثر کا اظہار کیا کہ اسے افادۂ عام کے لئے مستقل رسالہ کی شکل میں شائع کر دیا جائے، چنانچہ محترم جناب محمد ناصر خاں صاحب (فرید بک ڈپو، دہلی) کی خواہش پر اس کی اشاعت عمل میں آ رہی ہے، دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے گھر کی حفاظت کے سلسلہ میں اس حقیر کی خدمت کو قبول فرمائے، واللہ من وراہ القصد و هو المستعان۔

خالد سیف اللہ رحمانی

۱۴ / جمادی الآخری ۱۴۲۵ھ

(خادم المعهد العالی الاسلامی،

۱ / اگست ۲۰۰۴ء

پیش لفظ

بابری مسجد کے تنازعہ کو بعض لوگ صرف ایک مسجد کا مسئلہ سمجھتے ہیں، لیکن درحقیقت اس مسئلہ سے ساری مساجد کا مستقبل وابستہ ہے، ہندو فرقہ پرستوں نے اس گمراہ کن نقطہ نظر کو عام کیا کہ رام جنم بھومی مندر کا معاملہ ان کے عقیدہ (آستا) کا معاملہ ہے، یہ سراسر جھوٹ ہے، اگر ہندو برادران کے لئے یہ واقعی عقیدہ کا معاملہ ہوتا تو یہ بڑی بھاری اکثریت اس وقت سے لے کر جب کہ مغل حکمران کمزور ہو چکے تھے، انگریزوں کے ملک پر قابض ہونے تک کیوں خاموش رہتی؟ انگریزوں کے راج میں — جو ابتدائی دور میں مسلمانوں کو کچل دینے اور ذلیل کرنے کی پالیسی پر گامزن تھا — کوئی مطالبہ کیوں نہیں کیا گیا؟ ہندوستان کے آزاد ہونے کے بعد (۱۹۷۰ء) کے دہے کے اواخر تک کیوں کوئی آواز نہیں اُٹھی؟ — ہندو برادران وطن خاموش اس لئے رہے، انھوں نے کوئی مطالبہ اس لئے نہیں کیا اور ایسی کوئی آواز نہیں اُٹھی، کیوں کہ یہ عقیدہ کبھی نہیں رہا کہ کوئی رام جنم بھومی مندر اس جگہ پر واقع تھا جہاں بابری مسجد بنائی گئی تھی، مگر عقیدہ کی گمراہ کن بات کو اتنے شدید مدد کے ساتھ پیش کیا گیا اور ایسا شور مچایا گیا کہ کئی لوگ دستبرداری پر مائل ہونے لگے اور سمجھوتہ کی بات کرنے لگے، بعض نے مسجد کی ایک یا دو کمانوں کی جگہ مندر کے لئے دے کر یا مسجد کا پورا صحن دے کر باقی حصہ پر اکتفاء کرنے کی تجویز پیش کی، بعض نے کہا کہ جب ایک عرصہ سے بت رکھا ہوا ہے اور اس کی پوجا جاری ہے، تو اب

یہ مسجد باقی ہی نہیں رہی، بعض گوشوں سے یہ آواز بھی آئی کہ عمارت کے ڈھادیے جانے کے بعد مسجد ختم ہوگئی، مسجد کے انہدام نے بہت سوں کے دماغ کو ماؤف کر دیا اور ان پر مایوسی طاری کر دی۔

ان حالات میں آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ نے اعلان کیا کہ مسجد خدا کی ملک ہے، جس کو بیچا نہیں جاسکتا، نہ تحفہ میں دیا جاسکتا ہے، نہ کسی سمجھوتہ کے تحت کسی کو منتقل یا اس کے کسی حصہ کو خارج کیا جاسکتا ہے، اس بورڈ نے یہ بھی اعلان کیا کہ ظلم سے بت رکھ دیئے جائیں اور پوجا کا سلسلہ جاری کیا جائے، تو چاہے کتنا ہی عرصہ گزرے مسجد کی حیثیت ختم نہیں ہوگی، مسجد، مسجد ہی رہے گی، عمارت کے انہدام کے باوجود زمین کا وہ قطعہ جس پر عمارت کھڑی تھی مسجد ہی رہے گا اور اس پر مسجد کے تمام احکامات کا اطلاق ہوگا، ان اعلانات نے مایوسی کو توڑا، اور حالات کے جبر کے آگے سر جھکانے کی فکر پر ضرب لگائی۔

2002ء میں گجرات میں مسلمانوں کی خوں آشام نسل کشی ہوئی، وشو ہندو پریشد نے اس قتل عام اور اجتماعی آبروریزی کو باری مسجد سے جوڑ کر مسلمانوں کو دھمکانے کی پالیسی اختیار کی اور گجرات بنادینے کا خوف دلا کر مسلمانوں کو دستبرداری پر مائل کرنا شروع کیا، بی جے پی کی سرکردگی میں قائم حکومت نے بھی مختلف طریقوں سے مسلمانوں کو مجبور کرنے کی کوشش کی، آر۔ ایس۔ ایس نے تو اعلان ہی کر دیا کہ ہندوؤں کی بات کو مان کر اور ان کو منا کر ہی مسلمان محفوظ و مامون رہ سکتے ہیں، ذہنی شکست خوردگی کے شکار اب سوچنے لگے کہ مسجد منتقل کی جاسکتی ہے اور مسلمانوں کے جان و مال کو بچانے کے لئے اس سے دستبرداری کا اعلان کیا جاسکتا ہے۔

ان حالات میں ”مسجد کی شرعی حیثیت“ ایک اہم سوال بن گیا، جدید فقہی مسائل کے حل کے لئے مشہور عالم مولانا خالد سیف اللہ رحمانی سے خواہش کی گئی کہ ”مسجد کی شرعی حیثیت“ کو واضح کریں، کل ہند مجلس تعمیر ملت کے اسٹڈی سرکل کے تحت اس عنوان پر ایک اجتماع میں مولانا نے دلائل کے

مسجد کی شرعی حیثیت

⑤

ساتھ ”مسجد کی شرعی حیثیت“ کو بیان کیا، اب یہ تحریر کی شکل میں آپ کے زیر نظر ہے، یہ مضمون سہ ماہی رسالہ ”بحث و نظر“ کے (جنوری- مارچ ۲۰۰۴ء) کے شمارے میں شائع ہوا تھا، اب کتاب کی شکل میں آپ کے ہاتھ میں ہے۔

سیاسی حالات کی تبدیلی کے بعد باری مسجد کی جگہ رام جنم بھومی تعمیر کرنے کی سازش رچنے والوں کے حوصلے پست ہو گئے، ”مسجدیں ہمارے حوالے کر د اور امن کی ضمانت ہم سے لو“ کی آوازیں سنائی نہیں دے رہی ہیں، مگر زیر سطح ہلچل جاری ہے، حالات کے دباؤ سے ہمت پانے والوں اور فوری دستبرداری کی فکر کرنے والوں کے سامنے اللہ کے کلام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمودات کی روشنی میں مسجد کا مقام و مرتبہ اور اس کی شرعی حیثیت کو پیش کرنا بھی بہت ضروری ہے، اس رُخ سے مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب نے بڑا قابل قدر اور چشم کشا مواد اس کتاب میں فراہم کر دیا ہے، ان کی یہ کوشش لائق ستائش و تحسین اور بہت ہی مفید و کارآمد ہے، فجزاہ اللہ خیر الجزاء۔

محمد عبدالرحیم قریشی

۲۸/ جولائی ۲۰۰۴ء

(سکریٹری آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ)

حیدرآباد

vvvvvv































بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ تعالیٰ نے اس کائنات کو اشرف المخلوقات حضرت انسان کے لئے بنایا اور بسایا ہے، زمین کی تہوں سے لے کر سمندر کی اتھاہ گہرائیوں اور آفاق کی وسعتوں تک بڑی سے بڑی اور چھوٹی سے چھوٹی، جاندار اور بے جان حتیٰ مخلوقات ہیں، وہ براہ راست یا بالواسطہ اسی مشیت خاک انسان کی خدمت میں شبانہ روز مشغول ہیں، اور خود انسان کو اللہ تعالیٰ کی عبادت اور بندگی کے لئے پیدا کیا گیا ہے ”وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ“ (۱) اللہ کی بندگی جزوقتی نہیں؛ بلکہ ایک ہمہ وقتی عمل ہے، انسان جس وقت اور جس کیفیت میں ہو، اسے اپنی بندگی کا استحضار ہونا چاہئے، اسے خیال ہونا چاہئے کہ وہ خدا کا غلام ہے اور یہی غلامی اس کے لئے اورج کمال ہے، رسول اللہ ﷺ پر عبدیت اور بندگی کا رنگ اس قدر غالب اور کامل تھا کہ آپ کھانا تناول فرماتے تو اس میں بھی تواضع اور فروتنی کا رنگ پوری طرح نمایاں ہوتا اور ارشاد فرماتے:

”اکل کما یأکل العبد“۔ (۲)

اس عبدیت اور بندگی کے استحضار کے لئے ضرورت ہوتی ہے کہ کچھ لحاظ انسان تمام تعلقات سے پرے اٹھ کر خدا کے دربار میں بچھ جائے؛ تاکہ اس میں اپنی بندگی کا شعور تازہ ہوتا رہے، اسی لئے اسلام میں مختلف عبادتیں رکھی گئی ہیں، گو ان سب کا مقصد ایک ہے، لیکن تربیت اور انسان کی خود سپردگی کی آزمائش کے اعتبار سے ان کے طریقے الگ الگ ہیں، ان

(۲) مجمع الزوائد: ۸/۵۸۲، حدیث نمبر: ۱۳۲۱۰

(۱) الذاریات: ۵۶

درجہ نماز کا ہے، توحید و رسالت کے اقرار کے بعد سب سے افضل اور اہم عمل نماز ہے، قرآن مجید میں ۹۵ مواقع پر نماز کا ذکر آیا ہے، حدیثیں جن عنوانات کے تحت ذکر کی جاتی ہیں، ان میں سب سے وسیع حصہ نماز کا ہے، نماز کی حالت میں انسان سر کے بال سے پاؤں تک مکمل طور پر عبادت میں مشغول اور احکام خداوندی کے سامنے سر خمیدہ ہوتا ہے، پورے جسم کو ساکن و جامد اور رسول اللہ ﷺ کی سنت کے مطابق جمار ہنا ہے، آنکھوں کو وہاں دیکھنا ہے جہاں آپ ﷺ نے دیکھا، زبان کو وہی کچھ کہنا ہے اور وہی بول ادا کرنے ہیں، جو رسول اللہ ﷺ نے ادا کئے ہیں، کبھی ایک اقراری مجرم اور غلام کی طرح ہاتھ باندھ کر کھڑا ہے، کبھی اپنے مالک کے سامنے کمر تک جھکتا ہے، کبھی اپنے وقار کی علامت ناک اور پیشانی کو خدا کی چوکھٹ پر بچھا دیتا ہے، نہ حسب خواہش بولنے کی اجازت ہے، نہ چلنے کی، نہ حرکت کی، نہ کھانے پینے کی، گویا پورا وجود غلامی اور بندگی کی تصویر ہے!

پھر اس بندگی کے لئے کچھ اوقات مقرر کئے گئے، اور ان اوقات کے انتخاب میں بھی انسان کی آزمائش اور امتحان کا پہلو رکھا گیا ہے، فجر کے وقت نیند آنکھوں کو دبوچتی ہے، ظہر کا وقت بھی استراحت اور بعض اوقات گرما کی شدت اور تمازت کا ہے، عصر اور مغرب کا روبرو کے شباب کا وقت ہے، عشاء کا وقت وہ ہے جب دن بھر کا تھکا ماندہ اور ٹکان سے چور مزدور گھر آتا ہے اور چاہتا ہے کہ جلد سے جلد گہری نیند کی چادر اوڑھ لے، ان ہی اوقات میں مؤذن میناروں سے دعوت نماز دیتا ہے، گویا روزانہ اور ہر دن پانچ بار مؤمن ایمان اور نفس کی کشمکش کے امتحان سے گذرتا ہے، ایسی عظیم الشان عبادت کے لئے ایسا ماحول بھی ضروری تھا جو ذہن کی یکسوئی اور

قلب کی فراغت کا باعث ہو، جس میں ہر شخص افکار دنیا سے فارغ ہو کر اللہ تعالیٰ کی یاد اور اس سے مناجات کے لئے یکسو ہو؛ اسی لئے یوں تو روئے ارض پر کہیں بھی نماز ادا کی جاسکتی ہے، اور یہ اس اُمت کے امتیازات میں سے ہے، (۱) کہ اس کی عبادتیں درود و یوار کی محتاج نہیں، لیکن ماحول کی ہم آہنگی اور موافقت کے لئے کچھ مقامات کو مخصوص کرنے اور انھیں نماز کی ادائیگی کے لئے مختص کرنے کا حکم دیا گیا، یہی عبادت کے لئے مخصوص جگہیں ”مسجد“ کہلائیں، خود قرآن مجید میں ۲۸ مواقع پر مساجد کا ذکر آیا ہے، اور متعین طور پر مسجد حرام، مسجد اقصیٰ اور مسجد قباء کا ذکر فرمایا گیا ہے۔

مسجد کے اصل معنی ہیں: سجدہ کرنے کی جگہ، غور کیجئے تو نماز کا اصل مقصد عجز و فروتنی کا اظہار ہے اور اس فروتنی کا سب سے بڑا مظہر سجدہ ہے، جس میں انسان عظمت و احترام کی آخری علامت پیشانی اور ناک کو بھی خاک پر بچھا دیتا ہے؛ اسی لئے نماز پڑھنے کی مخصوص جگہ کو مسجد سے تعبیر کیا گیا، اسلام میں مساجد کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے کیا جاسکتا ہے؛ کہ جب رسول اللہ ﷺ مکہ میں تھے، اس وقت تو خود کعبۃ اللہ موجود تھا، جو اس کائنات میں تعمیر ہونے والی پہلی مسجد تھی، گو اس پر مشرکین کا قبضہ تھا؛ لیکن جب آپ ﷺ نے ہجرت فرمائی اور مدینہ پہنچنے سے پہلے قباء میں قیام پذیر ہوئے، تو وہیں آپ ﷺ نے ایک مسجد کی بنیاد رکھی، جس کا خود قرآن مجید نے ذکر کیا ہے، (۲) پھر مدینہ پہنچنے کے بعد آپ ﷺ نے اپنی اور اپنے رفقاء ﷺ کی رہائش گاہ کے لئے فکر کرنے سے پہلے مسجد کی فکر فرمائی اور جس مکان کو آپ کی قیام گاہ ہونے کا شرف حاصل تھا، اسی کے سامنے ایک زمین خرید کر مسجد نبوی ﷺ کی بنیاد رکھی۔

قرآن مجید میں

• ان مساجد کی خصوصی حیثیت ہے، کیوں کہ کسی زمین کو مسجد کے لئے وقف کرنا، اس حصہ

زمین کو براہ راست اللہ کے حوالہ کر دینا ہے، اب گویا وہ براہ راست اللہ تعالیٰ کی ملکیت میں ہے،

(۱) دیکھئے: ابوداؤد، حدیث نمبر: ۴۸۹۰، باب فی المواضع التي لا تجوز فيها الصلاة (۲) توبہ: ۱۰۸

چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

وَأَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلَّهِ فَلَا تَدْعُوا مَعَ اللَّهِ أَحَدًا۔ (۱)

بے شک مسجدیں اللہ کے لئے ہیں، اس لئے (مسجدوں میں)

اللہ کے سوا کسی اور کی عبادت نہ کرو۔

اس آیت میں اولاً تو تاکید اور قوت کے لئے ”أَنَّ“ کا لفظ استعمال کیا گیا ہے، جو عربی قواعد کے مطابق قوت و تاکید کے معنی کے لئے ہے، پھر مسجد کے بجائے ”مساجد“ یعنی واحد کے بجائے جمع کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے، اور اس پر جو ”الف، لام“ آیا ہے، وہ عربی گرامر کی رو سے ”استغراق“ کے معنی میں ہے، اس طرح اب اس کے معنی ”تمام مسجدوں“ کے ہو گئے، یعنی جو حکم بیان کیا جا رہا ہے وہ کسی ایک مسجد کا نہیں ہے؛ بلکہ تمام ہی مسجدوں کا ہے، اسی لئے مشہور مفسر عکرمہ نقل کرتے ہیں کہ یہ آیت تمام ہی مسجدوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے، (۲) پھر فرمایا گیا ”للہ“، عربی گرامر کی رو سے ”ل“ ملکیت اور اختصاص کو ظاہر کرنے کے لئے آتا ہے، یعنی مسجدیں اللہ ہی کی ملکیت ہیں، اور اللہ تعالیٰ کے لئے مخصوص ہیں، آگے اللہ تعالیٰ نے یہ بات بھی واضح فرمادی کہ مسجد کے اللہ کی ملکیت ہونے کا کیا مطلب ہے؟ — اور وہ یہ کہ یہ جگہ ہمیشہ کے لئے اللہ کی عبادت کے لئے مخصوص ہے، لہذا اس مخصوص حصہ زمین میں غیر اللہ کی عبادت کی اجازت نہیں دی جاسکتی فَلَا تَدْعُوا مَعَ اللَّهِ أَحَدًا، (۳) کیوں کہ ”ف“ تفسیر و وضاحت کے لئے آیا کرتا ہے، پس مسجد پر اللہ کی ملکیت کا مسمأ و مقصود واضح ہو گیا کہ یہاں صرف اللہ ہی کی عبادت کی جاسکتی ہے، چنانچہ تفسیر ثعالبی میں اس ٹکڑے کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا گیا ہے :

... فیصلح أن تفرد للعبادة وكل ما هو خالص الله

(۳) الجن: ۱۸

(۲) مختصر تفسیر ابن کثیر: ۵۸۶/۳

(۱) الجن: ۱۸

تعالیٰ ... ولا يجعل فيها لغير الله نصيب۔ (۱)

مسجدوں کی شان یہ ہے کہ ان کو عبادت اور ایسے ہی کاموں کے لئے مخصوص رکھا جائے، جو اللہ تعالیٰ کے لئے خالص ہیں اور ان میں اللہ کے علاوہ کسی کا کوئی حصہ نہ ہو۔

اسی طرح کی بات علامہ زمخشریؒ نے بھی لکھی ہے، (۲) پھر یہ نکتہ بھی قابل غور ہے کہ ”أَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلَّهِ“ (بے شک مسجدیں اللہ ہی کے لئے ہیں) عربی قواعد کے اعتبار سے جملہ اسمیہ ہے، اور جملہ اسمیہ میں ثبوت و استمرار اور بقاء و دوام کی کیفیت پائی جاتی ہے، ان تفصیلات سے جو بات منہج ہو کر سامنے آتی ہے، وہ یہ ہے :

دنیا کی تمام وہ جگہیں جہاں مسجد بنادی گئی ہو اور جنہیں مالکان زمین نے نماز پڑھنے کے لئے مخصوص کر دیا ہو، براہ راست اللہ کی ملکیت ہیں، اور اللہ ہی کی عبادت کے لئے مخصوص ہیں، اور اس میں غیر اللہ کی عبادت کرنے کی کوئی گنجائش نہیں۔

• اسی طرح ایک اور موقع پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِينَ أَنْ يَعْمُرُوا مَسَاجِدَ اللَّهِ۔ (۳)

مشرکین کے لئے درست نہیں کہ وہ اللہ کی مسجدوں کو آباد کریں۔

یہاں مساجد کی نسبت اللہ کی طرف کی گئی ہے، عربی قواعد کے اعتبار سے یہ نسبت و اضافت ملکیت کے رشتہ کو ظاہر کرتی ہے، جیسے کہا جائے، ”بیت رشید“ (رشید کا گھر)، اس کے

معنی یہ ہیں کہ رشید اس گھر کا مالک ہے، یا کہا جائے ”قلم حمید“ (حمید کا قلم) تو معنی یہ ہوئے کہ قلم

(۲) دیکھئے: الکشاف: ۴/۲۹۷

(۱) تفسیر العالی: ۵/۳۹۷

(۳) التوبہ: ۱۷

حمید کی ملکیت ہے، اسی طرح نماز پڑھنے کی مخصوص جگہ، ”مسجدیں“ اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہیں، اور ظاہر ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہیں تو وہ ہمیشہ مسجد ہی رہیں گی، کیوں کہ مالک جب تک اپنی ملکیت سے کسی چیز کو نکال نہ دے، اس سے اس کی ملکیت کا رشتہ منقطع نہیں ہو سکتا، پھر اس آیت میں جو حکم دیا گیا ہے، اس کا تعلق تمام مسجدوں سے ہے کہ کوئی بھی مسجد مشرکین کے حوالہ نہیں کی جاسکتی، چنانچہ علامہ آلوسی فرماتے ہیں :

الظاهر أن المراد شيئاً من المساجد لأنه جمع
مضاف فيعم ويدخل فيه المسجد الحرام دخولاً
أولياً۔ (۱)

ظاہر ہے کہ اس سے مراد کوئی بھی مسجد ہے، اس لئے کہ یہ جمع ہے جسے اللہ کی طرف مضاف کیا گیا ہے، لہذا یہ تمام مسجدوں کو شامل ہوگا، اور مسجد حرام اس میں اولین طور پر داخل ہوگی

• اسی طرح اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ مَنَعَ مَسْجِدَ اللَّهِ أَنْ يُذْكَرَ فِيهَا اسْمُهُ
وَسَعَىٰ فِي خَرْبِهَا۔ (۲)

اس سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا، جو اللہ کی مسجدوں میں اللہ کا نام

لینے سے روک دے، اور اس کو دیر اللہ کرنے کے درپے ہو؟



اس آیت میں بھی مساجد کی نسبت اللہ کی طرف کی گئی ہے، اور جو جگہ اللہ کی عبادت کے لئے بنائی گئی ہو، اس میں اللہ کی عبادت کے روک دینے کو بہت بڑا ظلم قرار دیا گیا ہے، یہ آیت گو مسجد حرام سے متعلق نازل ہوئی ہے، لیکن جمع کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے، جس میں اس بات کی

(۱) روح المعانی: ۹۴/۴

(۲) البقرہ: ۱۱۳

طرف اشارہ ہے کہ تمام مسجدوں کا یہی حکم ہے، المراد سائر المساجد (۱) — اسی لئے مولانا ثناء اللہ پانی پتی نے فرمایا کہ گو یہ آیت ایک خاص واقعہ کے پس منظر میں نازل ہوئی ہے، لیکن یہ حکم عام ہے، الحکم عام وإن کان المورد خاصاً (۲) — اور مسجد کو ویران کرنے سے مراد اس کو منہدم کرنا اور اس میں عبادت کو معطل کر دینا ہے۔ (۳)

اس آیت کے آئینہ میں وہ لوگ اپنی تصویر دیکھ سکتے ہیں جو بابر کی مسجد سے دستبردار ہو جانے کی بات کرتے ہیں، کہ قرآن کی زبان میں مسجد کو عبادت الہی سے محروم کر دینا سب سے بڑا ظلم ہے، اور اگر ہم کسی گروہ سے اس بات کا معاہدہ کر لیں کہ مسجد کو مشرکانہ عبادت گاہ بنادیا جائے تو یہ یقیناً مسجد کو ویران اور معطل کرنے میں تعاون کرنا ہے۔

احادیث نبوی ﷺ کی روشنی میں

مسجد کی شرعی حیثیت کے سلسلہ میں رسول اللہ ﷺ کے ارشادات سے بھی روشنی ملتی ہے، اس سلسلہ میں چند حدیثیں نقل کی جاتی ہیں :

• عن عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ قال ، قال

رسول اللہ ﷺ : إن بیوت اللہ فی الأرض المساجد

إن حقاً علی اللہ أن یکرم الزائر۔ (۴)

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول

اللہ ﷻ نے فرمایا کہ زمین میں مسجدیں اللہ کے گھر ہیں اور یہ بات اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے، کہ جو اللہ کے گھر کی زیارت کرے، اللہ تعالیٰ اس کا اکرام فرمائے۔

(۲) تفسیر مظہری: ۱/۱۱۶

(۱) تفسیر قرطبی: ۲/۵۳، نیز دیکھئے: تفسیر طبری: ۱/۳۵۲

(۳) تفسیر أبی السعود: ۱/۱۳۹

(۴) مجمع الزوائد بحوالہ المعجم طبرانی کبیر، کتاب الصلاۃ، باب لزوم المساجد، حدیث نمبر: ۲۰۲۸

اس حدیث میں مسجدوں کو اللہ تعالیٰ کا گھر قرار دیا گیا ہے، گھر قرار دینے کا مطلب ظاہر ہے کہ مسجدیں اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہیں، اور ظاہر ہے کہ جب انسان اس کا مالک باقی نہیں رہا، تو اس کو اس میں کسی تصرف اور اس کی حیثیت اور کیفیت کو بدلنے کا حق کس طرح حاصل ہو سکتا ہے؟

• عن عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ قال: من بنی اللہ

مسجداً، بنی اللہ له بیتاً أو سع منه فی الجنة۔ (۱)

حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس نے اللہ تعالیٰ کے لئے مسجد بنائی، اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت میں اس سے زیادہ کشادہ گھر بنائیں گے۔

اس حدیث میں مسجد کی تعمیر کو اللہ تعالیٰ کا گھر قرار دینے کے علاوہ ایک ایسی عمارت اور جگہ قرار دیا گیا ہے، جو اللہ تعالیٰ ہی کے لئے مخصوص ہے، اس سے بھی اسی مضمون کی تاکید ہوتی ہے، جو اوپر گذرا کہ مسجد انسان کی ملکیت سے نکل کر براہ راست اللہ کی ملکیت میں داخل ہو جاتی ہے۔

• عن عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ أن رجلاً سأل

النبي ﷺ: أي البقاع خير، وأي البقاع شر؟ قال:

خير البقاع المساجد وشر البقاع الأسواق۔ (۲)

حضرت عبداللہ بن عمر ؓ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے
رسول اللہ ﷺ سے پوچھا، کون سا خطہ سب سے بہتر ہے
اور کون سا خطہ سب سے بدتر؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:
سب

(۱) مستدرج، حدیث نمبر: ۷۰۵۶

(۲) مجمع الزوائد، بحوالہ طبرانی فی الکبیر، باب فضل المساجد الخ، حدیث نمبر: ۱۹۲

سے بہتر خطہ مسجدیں ہیں اور سب سے بدتر خطہ بازار ہیں۔

اسی مضمون کی ایک روایت حضرت انس بن مالک ؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ
نے ارشاد فرمایا:

• خیر البقاع بیوت اللہ فی الأرض۔ (۱)

زمین میں سب سے بہتر حصہ اللہ کے گھر (مسجدیں) ہیں۔

ان احادیث میں زمین کے اس حصہ سے بہتر ہونے کو منسوب کیا گیا ہے، جو مسجد ہیں،
اس سے صاف ظاہر ہے کہ جس جگہ ایک دفعہ مسجد تعمیر کر دی جاتی ہے، یا جو حصہ زمین مسجد کے
لئے وقف کر دیا جاتا ہے، اس کی اللہ تعالیٰ سے نسبت قائم ہو جاتی ہے اور اس کی ایک خاص
حیثیت بن جاتی ہے، نیز مسجدیت درود یوار سے متعلق نہیں ہوتی، بلکہ اس زمین سے متعلق ہوتی
ہے، جس کو مسجد کی حیثیت سے وقف کیا گیا ہو۔

• عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: أَلْمَسَاجِدِ

بِیُوتِ اللّٰهِ فِی الْأَرْضِ تَضِیُّ لِأَهْلِ السَّمَاءِ کَمَا تَضِیُّ

نَجُومُ السَّمَاءِ لِأَهْلِ الْأَرْضِ۔ (۲)

حضرت عبداللہ بن عباس ؓ سے مروی ہے، انھوں نے

فرمایا: مسجدیں زمین میں اللہ کا گھر ہیں، آسمان والوں کے لئے وہ ایسے ہی روشن ہوتی ہیں، جیسے زمین والوں کے لئے آسمان کے تارے۔

اس روایت میں بھی مسجدوں کو اللہ کا گھر قرار دیا گیا ہے اور ان کو تاروں سے تشبیہ دی گئی

(۱) مجمع الزوائد، بحوالہ المعجم اوسط للطبرانی، حدیث نمبر: ۱۹۲۶

(۲) مجمع الزوائد، بحوالہ المعجم طبرانی کبیر، حدیث نمبر: ۱۹۳۴

ہے، جیسے تارے ہمیشہ روشن رہتے ہیں، اسی طرح گویا یہ زمین بھی ہمیشہ روشن رہے گی اور ان کی حیثیت مسجد کی بنی رہے گی۔

• عن ابن عباس رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ

ﷺ تذهب الأرضون كلها يوم القيامة إلا

المساجد فإنها يضم بعضها إلى بعض۔ (۱)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول

اللہ ﷺ نے فرمایا: قیامت کے دن تمام زمینیں ختم ہو جائیں

گی، سوائے مسجدوں کے، کہ وہ ایک دوسرے کے ساتھ ضم

ہو جائیں گی۔

اس حدیث سے صاف ظاہر ہے کہ مسجدیں قیامت تک مسجد ہی کی حیثیت سے باقی

رہیں گی، یہاں تک کہ قیامت میں بھی باقی رکھی جائیں گی۔

ایک شبہ

علامہ ابن تیمیہ وغیرہ نے عبداللہ الیشکری کی روایت سے استدلال کیا ہے، کہ کوفہ میں

پہلے مسجد کجور کے بازار میں تھی اور بعد میں وہاں سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حکم پر منتقل کر دی گئی،

چنانچہ عبداللہ الیشکری سے مروی ہے :

دخلت المسجد الكوفه أول ما بنى مسجدھا وهو

فی أصحاب التمریومئذ۔ (۲)

لیکن یہ استدلال کئی وجوہ سے محل نظر ہے۔

(۱) مجمع الزوائد، بحوالہ طبرانی، حدیث نمبر: ۱۹۳۰

(۲) مسند احمد عن عبداللہ الیشکری: ۳/۲۷۷، حدیث نمبر: ۱۵۸۶۳، جلد: ۶/۲۸۳، حدیث نمبر: ۲۷۱۳۶-۲۷۱۳۷

۱- مسند احمد میں کئی جگہ یہ حدیث آئی ہے، بعض روایتوں میں ”مسجد“ کا ذکر ہے، اور بعض میں نہیں، ”کعب عن عمرو بن حسان“ میں ذکر آیا ہے، لیکن عمرو بن حسان نسبت کم درجہ کے راوی ہیں، (۱) ”عفان عن ہمام“ میں بھی ذکر آیا ہے، لیکن اسی میں ایک راوی محمد بن مجاہد ہیں، جن کو گو بعض حضرات نے ثقہ قرار دیا ہے، لیکن ابو عوانہ کا بیان ہے: کان یغلو فی التشیع۔ (۲) ”ابو قطن عن یونس“، والی سند میں بھی ”مسجد“ کا ذکر ہے؛ لیکن ”کعب عن یونس“ حدیث نمبر: ۱۵۹۷۹ اور ”عبدالرزاق عن ابی اسحاق“ (حدیث نمبر: ۱۵۹۸۰) میں ”مسجد“ کا ذکر نہیں ہے، (۳) حالاں کہ یہ روایت زیادہ قوی ہیں۔

۲- اس روایت سے صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ کسی مصلحت کی وجہ سے دوسری جگہ مسجد تعمیر کر دی گئی اور لوگ وہاں نماز پڑھنے لگے، یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ پہلی جگہ کو مسجد کے بجائے کسی اور کام کے لئے استعمال کیا جانے لگا ہو، اگر آبادی کے کسی دوسری جگہ منتقل ہو جانے کی وجہ سے دوسری جگہ مسجد تعمیر کی جائے اور لوگ وہاں نماز پڑھنے لگیں تو اس کے درست ہونے میں کوئی اختلاف نہیں ہے، اصل یہ ہے کہ پہلے سے جو جگہ مسجد تھی اس کی حیثیت بدلی نہیں جاسکتی اور وہ ابھی بھی مالکانہ تصرفات اور احترام وادب کے اعتبار سے مسجد ہی باقی رہے گی۔

۳- علامہ ابن ہمام نے لکھا ہے کہ حضرت عمر ؓ نے مسجد کو منتقل کرنے کا حکم نہیں دیا

تھا، بلکہ چوں کہ کوفہ کے بیت المال میں چوری ہو گئی تھی؛ اس لئے مسجد کی سمت قبلہ میں بیت المال بنانے کا حکم فرمایا تھا، (۴) تاکہ مسجد میں لوگوں کی آمد و رفت کی وجہ سے بیت المال نظر میں رہے، اور اس طرح کے واقعات کا اعادہ نہ ہو۔

۴- اس میں مسجد سے مسجد شرعی ہی مراد ہو، یہ بھی ضروری نہیں، ایسا بھی ہوتا ہے کہ

(۱) دیکھئے: تعجیل المنفعة: ۳۴۰، کتاب الجرح والتعديل لابن ابی حاتم: ۶/۲۲۷

(۲) تہذیب التہذیب: ۸۳-۸۴ (۳) دیکھئے: مسند احمد، حدیث نمبر: ۱۵۹۷۹-۱۵۹۸۰

(۴) فتح القدیر: ۵/۴۴۶

لوگ بازار میں کسی جگہ کو نماز کے لئے مخصوص کر لیتے ہیں، اس کی حیثیت مسجد شرعی کی نہیں ہوتی بلکہ عبادت گاہ اور مسجد بیت کی ہوتی ہے، اور روایت میں جو ”ہو فی اصحاب التمر“ کی تعبیر ہے، اس سے بھی اس احتمال کو تقویت پہنچتی ہے۔

۵- کتاب و سنت کی جو نصوص اوپر ذکر کی گئی ہیں، ان کے مقابلہ میں یہ عمل صحابی (جس کا درجہ بہر حال کتاب و سنت کے بعد ہی ہے) قابل توجہ نظر نہیں آتا اور پھر چوں کہ یہ ایسا مسئلہ ہے جس میں فی الجملہ اجتہاد کی گنجائش ہے، اس لئے یہ صحابی کی شخص رائے بھی ہو سکتی ہے۔

قیاس

• جہاں یہ بات قرآن و حدیث سے ثابت ہے، وہیں یہ قیاس کا بھی تقاضا ہے؛ کیوں کہ قرآن مجید میں بھی اور احادیث میں بھی تین اہم مساجد (جو انبیاء کرام سے منسوب ہیں اور اسلام کے اہم ترین مقامات مقدسہ میں سے ہیں) مسجد حرام (مکہ مکرمہ)، مسجد نبوی ﷺ (مدینہ منورہ) اور مسجد اقصیٰ (بیت المقدس) کو مسجد ہی کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے، چنانچہ قرآن مجید میں مسجد حرام کا ذکر ۱۵/مواعظ پر کیا گیا ہے :

البقرہ : ۱۴۴، البقرہ : ۱۴۹، البقرہ : ۱۵۰

البقرہ : ۱۹۱، البقرہ : ۱۹۶، البقرہ : ۲۱۷

المائدہ : ۲، الانفال : ۳۴، التوبہ : ۷

التوبہ : ۱۹، التوبہ : ۲۸، الإسراء : ۱

الحج : ۲۵، الفتح : ۲۵، الفتح : ۲۷

مسجد اقصیٰ کا ذکر ایک جگہ آیا ہے (۱)، مسجد نبوی ﷺ کا صریح ذکر قرآن مجید میں نہیں ہے، لیکن سورہ توبہ کی آیت نمبر : ۱۰۸، بعض مفسرین کے نزدیک مسجد نبوی ﷺ سے متعلق ہے، اگر یہ بات

(۱) الإسراء :

مان لی جائے، تو قرآن مجید میں اسے بھی مسجد ہی کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے، حدیثیں بے شمار ہیں جن میں ان تینوں مقامات مقدسہ کے لئے مسجد کا لفظ آیا ہے اور وہ حدیث تو خاص طور پر مشہور ہے جس میں فرمایا گیا کہ مساجد میں سے ان ہی تین مساجد کے لئے طویل سفر کیا جاسکتا ہے :

لا تشد الرحال إلا إلى ثلاثة مساجد ، الكعبة

ومسجدی هذا ومسجد الأقصی۔ (۱)

اسی طرح وہ حدیث جس میں ان تینوں مساجد میں نماز پڑھنے کی خصوصی فضیلت کا بیان ہے اور جو حدیث کی مختلف کتابوں میں وارد ہوئی ہے، اس میں بھی ان تینوں مساجد کو بحیثیت مسجد ذکر فرمایا گیا ہے، اب قابل غور بات یہ ہے کہ ان مقامات مقدسہ کا اصل وجہ امتیاز اور اس کی اصل شناخت اور پہچان ان کا ”مسجد ہونا“ ہے، لہذا بحیثیت مسجد جو احکام ان مقامات کے ہوں گے، وہی دوسری مساجد کے بھی ہوں گے، تو اگر ان مساجد کی حیثیت دوائی ہے تو یہی حیثیت روئے ارض کی تمام مساجد کی ہوگی، یہ بھی اس بات کی دلیل ہے کہ جس مقام پر ”مسجد شرعی“ بن جائے، اس کی حیثیت ہمیشہ مسجد ہی کی رہے گی۔

مسجد بیت

یہاں ایک بات کی وضاحت مناسب محسوس ہوتی ہے کہ یہ سارے احکام مسجد شرعی کے ہیں، یعنی اس جگہ کے جس کو مسجد کے لئے وقف کر دیا گیا ہو، ورنہ حدیث میں ”مسجد بیت“، یعنی گھر میں نماز پڑھنے کے لئے مخصوص جگہ کا بھی ذکر ملتا ہے، کہ جیسے آدمی گھر میں کھانے، پینے اور دوسری ضروریات کے لئے کوئی جگہ مخصوص رکھتا ہے، اسی طرح کوئی جگہ نماز کے لئے بھی مخصوص رکھی جائے اور اس کو صاف ستھرا رکھنے کا اہتمام کیا جائے، اس سلسلہ میں متعدد روایتیں ملتی ہیں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں حکم دیا کہ گھروں

(۱) سنن دارمی، حدیث نمبر: ۱۴۲۸

میں نماز گاہ (مسجد) بنالیں اور اسے صاف ستھرا رکھیں (۱)، اسی مضمون کی روایت بیہقی میں حضرت سمرۃ بن جندب رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے، حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے مختلف صحابہ رضی اللہ عنہم سے نقل کیا ہے کہ حضور ﷺ ہمیں حکم دیتے تھے کہ ہم اپنے گھروں میں نماز کی جگہ بنائیں اور اس کو بہتر طور پر بنائیں اور صاف ستھرا رکھیں (۲)، علامہ بیہقی نے صراحت کی ہے کہ اس کی سند صحیح ہے (۳)، ان کی حیثیت چوں کہ مسجد شرعی کی نہیں ہے اور انھیں نماز کے لئے وقف نہیں کیا گیا ہے اس لئے ان عارضی جگہوں کا حکم وہ نہیں ہوگا، جو مسجدوں کا ہے، البتہ اس کا مقصد یہ ہے کہ اس جگہ کو صاف ستھرا رکھا جائے، تاکہ بے تکلف نماز ادا کی جاسکے، فقہاء کے یہاں بھی ایسی مسجد کا ”مسجد البیت“ (مسجد خانہ) کی حیثیت سے ذکر ملتا ہے (۴)۔

سواد اعظم کا نقطہ نظر

مسجد کی شرعی حیثیت کے سلسلہ میں فقہاء کا بھی قریب قریب اتفاق ہے کہ جو جگہ مسجد بن جائے وہ ہمیشہ کے لئے مسجد ہے، اور اس کی حیثیت کو تبدیل نہیں کیا جاسکتا، اس وقت امت

مسلمہ میں جن دبستانہائے فقہ کی پیروی کی جاتی ہے، اور جن کی حیثیت اُمت کے سوادِ اعظم کی ہے، وہ حنفیہ، مالکیہ، شوافع اور حنابلہ ہیں، اور رسول اللہ ﷺ نے ”سوادِ اعظم“ کی اتباع کا حکم دیا ہے، ارشاد ہے :

عليكم بالسوادِ الاعظم۔ (۵)

تم پر سوادِ اعظم کی پیروی واجب ہے۔

”سوادِ اعظم“ سے مسلمانوں کا اجماع و اتفاق مراد نہیں، بلکہ غالب اکثریت مراد ہے :

(۱) سنن بیہقی، باب فی تنظیف المساجد الخ، حدیث نمبر: ۳۳۰۸

(۲) مستدرک، حدیث نمبر: ۱۹۶۳، عن عروہ بن زبیر

(۳) الدر المختار مع الرد: ۲/۳۲۹

(۳) مجمع الزوائد، باب اتخاذ المساجد فی الدور الخ

(۵) مستدرک: ۳/۲۸۷، حدیث نمبر: ۱۸۳۰۹، ۳/۳۷۵، حدیث نمبر: ۱۹۲۹۹، ابن ماجہ، حدیث نمبر: ۳۹۵۰

يعبر به عن الجماعة الكثيرة والمراد ما عليه أكثر

المسلمين۔ (۱)

حنفیہ

حنفیہ میں امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک مسجد کی حیثیت تبدیل نہیں کی جاسکتی، خواہ مسجد ویران کیوں نہ ہو جائے :

ولو جعل داره مسجداً فخرّب جوار المسجد أو

استغنى عنه لا يعود إلى ملكه ويكون مسجداً أبداً عند

أبي يوسف ؑ وعند محمد ؑ يعود إلى ملكه۔

(۲)

اگر کوئی شخص اپنے گھر کو مسجد بنالے اور مسجد کے گرد و پیش کا

حصہ ویران ہو جائے، یا مسجد کی ضرورت باقی نہیں رہے، تب بھی وہ (جگہ) واقف کی ملکیت میں نہیں لوٹے گی، اور ہمیشہ کے لئے مسجد رہے گی، یہ امام ابو یوسفؒ کی رائے ہے اور امام محمدؒ کے نزدیک واقف کی ملکیت میں لوٹ آئے گی۔ اور حنفیہ کے یہاں اسی پر فتویٰ ہے، چنانچہ علامہ حسکفیؒ رقمطراز ہیں :

ولو خرب ماحوله وأستغنی عنه یبقی عند الإمام والثانی أبداً إلى قیام الساعة وبه یفتی ، حاوی القدسی ... إن الفتوی علی أن المسجد لا یعود میراثاً ولا یجوز نقله ونقل ماله إلى مسجد آخر۔ (۳)

(۱) مرقاة المصابیح: ۱/ ۲۴۹

(۲) بدائع الصنائع: ۵/ ۳۳۰، حکم الوقف الجائز وما یصل بہ

(۳) الدر المختار مع الرد: ۶/ ۵۴۸۰-۵۴۹

اگر مسجد کا گرد و پیش ویران ہو جائے اور مسجد کی ضرورت باقی نہیں رہے، تب بھی وہ ہمیشہ قیامت تک امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک مسجد ہی باقی رہے گی اور اسی پر فتویٰ دیا جاتا ہے فتویٰ اس بات پر ہے کہ مسجد میراث نہیں بنے گی، نہ اس کی منتقلی جائز ہوگی اور نہ اس کا مال دوسری مسجد کو لگانا درست ہوگا۔

فقہ حنفی کے مشہور ترجمان علامہ ابن نجیم مصریؒ ”خلاصۃ الفتاویٰ“ اور ”فتاویٰ نسفی“ کے حوالہ سے نقل کرتے ہیں :

بیع عقار المسجد لمصلحة المسجد لا یجوز وإن

کان بأمر القاضی وإن کان خراباً۔ (۱)
 مصلحت مسجد کے لئے بھی خاص مسجد کی زمین کو فروخت کرنا
 جائز نہیں، گو قاضی کے حکم سے ہو اور چاہے ویران ہو۔

امام محمدؒ کی رائے — ایک جائزہ

اس میں شبہ نہیں کہ فقہاء حنفیہ میں امام محمدؒ سے منقول ہے کہ اگر مسجد ویران ہو جائے
 اور وہاں مسلمان بالکل باقی نہ رہیں، تو وہ جگہ وقف کرنے والے کی ملکیت میں لوٹ آئے گی،
 لیکن اس نقطہ نظر کو جو لوگ بابرِ مسجد کے قضیہ میں بنیاد بنانا چاہتے ہیں، انھیں ان نکات کو پیش
 نظر رکھنا چاہئے :

۱ کسی بھی مسلک و مذہب میں اس کا مستند و معتبر قول ہی قابل عمل ہوتا ہے، اور اس
 مسئلہ میں امام محمدؒ کے قول کے مقبول نہ ہونے پر تمام ہی فقہاء متفق اور یک زبان ہیں، اس لئے
 (۱) البحر الرائق: ۵/ ۲۲۳

اس سے استدلال درست نہیں۔

۲ امام محمدؒ کی یہ رائے محض قیاس پر مبنی ہے کہ وہ جگہ نماز پڑھنے کے لئے وقف کی گئی تھی
 اور اب وہاں مسجد کی ضرورت ہی باقی نہیں رہی؛ اس لئے اب اسے وقف کرنے والے کی ملکیت
 میں لوٹ آنا چاہئے، ان کے نقطہ نظر پر قرآن و حدیث کی کوئی صریح یا مبہم دلیل موجود نہیں،
 اور امام ابو حنیفہؒ و امام ابو یوسفؒ کے نقطہ نظر پر قرآنی آیات اور احادیث شاہد ہیں، جیسا کہ پہلے
 ذکر کیا گیا ہے، اس لئے ظاہر ہے کہ ان حضرات کی رائے ہی قابل قبول ہو سکتی ہے۔

۳ امام محمدؒ کے نزدیک بھی اس کی موقوفہ حیثیت کے ختم ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ جگہ
 اس وقف کے بانی کے وارثوں کی طرف لوٹ آئے گی :

محمد ﷺ۔ (۱)

(ویران مسجد) ملک میں لوٹ آئے گی، یعنی وقف کرنے والے، یا اس کے ورثہ کی ملک میں۔

اس سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ موقوفہ شئی (مسجد) کی حیثیت کو ان کے نزدیک بھی اسی وقت تبدیل کیا جاسکتا ہے، جب کہ اصل واقف یا اس کے ورثاء موجود ہوں؛ کیوں کہ ان کو اس خطہ زمین کے بارے میں وقف کنندہ ہونے کی بنیاد پر ایک ترجیحی حیثیت حاصل ہوتی ہے، دوسرے لوگوں کو یہ حیثیت حاصل نہیں ہوتی اور بابرئ مسجد کا مسئلہ یہ نہیں ہے؛ کیوں کہ نہ وقف کنندہ موجود ہے اور نہ ان کے ورثہ معلوم و متعین۔

۹ اگر بالفرض وقف بورڈ کو وقف کنندہ کا قائم مقام تسلیم کر لیا جائے، تب بھی امام محمدؒ کے نزدیک یہ بات اس وقت جائز ہے، جب وہاں مسلمانوں کی آبادی نہ ہو، اور مسجد میں مسلم

(۱) درمختار مع الرد: ۵۳۸/۶

آبادی نہ ہونے کی وجہ سے نماز نہیں پڑھی جاسکتی ہو، لیکن ایودھیا کی صورت حال اس سے مختلف ہے، ایودھیا میں اچھی خاصی مسلم آبادی موجود ہے، اور جس شب بابرئ مسجد میں مورتی بیٹھائی گئی، اس شب تک بھی مسجد میں نماز ہوتی رہی ہے، اس لئے یہ وہ صورت حال نہیں ہے، جس میں امام محمدؒ نے مسجد کی حیثیت کے ختم ہونے کے بارے میں کہا ہے۔

۹ امام محمدؒ کے نزدیک جو مسجد ویران اور ناقابل استعمال ہو جائے وہ وقف کرنے والے مسلمان یا اس کے ورثہ کی ملکیت میں لوٹ آتی ہے، اب سوال یہ ہے کہ کوئی مسلمان مالک زمین کیا اپنی زمین اس مقصد کے لئے دے سکتا ہے کہ اسے شرک و بت پرستی کی آماجگاہ بنایا جائے، کیا یہ کفر و شرک میں تعاون نہیں ہوگا؟ اور کیا اس طرح کا تعاون درست ہوگا؟ اگر افراد و اشخاص کے لئے اس کا ارتکاب درست نہیں، تو اجتماعی حیثیت میں پوری امت کے لئے یہ بات کیسے

مسجد کی شرعی حیثیت

درست ہو سکتی ہے؟

مالکیہ

مالکی دبستان فقہ میں بھی مسجد کی حیثیت قیامت تک مسجد کی ہوتی ہے، نہ اس کی فروخت ہو سکتی ہے اور نہ کوئی اور صورت، چاہے وہ جگہ ویران کیوں نہ ہوگئی ہو، چنانچہ وزارت اوقاف کویت کی مطبوعہ مشہور عالم فقہی انسائیکلو پیڈیا (الموسوعة الفقهية) میں مالکیہ کا مسلک ان الفاظ میں نقل کیا گیا ہے :

أما المسجد فلا خلاف في عدم جواز بيعه مطلقاً

سواء خرب أم لا۔ (۱)

مسجد کو بیچنا مطلقاً جائز نہیں، خواہ ویران ہوگئی ہو یا نہیں، اس میں کوئی اختلاف نہیں۔

(۱) الموسوعة الفقهية: ۷/ ۲۲۳، استبدال المسجد

بلکہ فقہاء مالکیہ کے یہاں تو دوسرے اوقاف کے سلسلہ میں بھی یہی اصول ہے، کہ موقوفہ زمین کو ہمیشہ اسی حیثیت سے باقی رکھا جائے، چنانچہ علامہ دردمانی لکھتے ہیں :

لا يباع عقار حبس أي لا يجوز بيعه ولا يصح وإن

خرب (بكسر الراء) وصار لا ينفع به وسواء كان داراً

أو حوانيت أو غيرها۔ (۱)

وقف کی زمین نہیں بیچی جاسکتی، یعنی اس کی خرید و فروخت

جائز نہیں، (اور اگر کربھی لی جائے تو) درست نہیں، گو ویران

ہو اور اس حال میں آگئی ہو کہ اس سے نفع نہیں اٹھایا جاسکتا

ہو، چاہے تعمیری احاطہ ہو، یاد کا نہیں یا کچھ اور۔

ان تصریحات سے صاف ظاہر ہے کہ مالکی نقطہ نظر اس سلسلہ میں اور بھی زیادہ سخت ہے اور ان کے نزدیک مسجد تو کجا دوسرے اوقاف کی حیثیت بھی گویا دائمی ہوتی ہے اور مسجد تو ہمیشہ کے لئے مسجد ہے ہی۔

شوافع

فقہاء شوافع کے نزدیک بھی مسجد کی جگہ ہمیشہ کے لئے مسجد ہو جاتی ہے، گو مسجد ویران ہو گئی ہو اور گو اس کی عمارت منہدم ہو کر رہ گئی ہو، چنانچہ معروف شافعی فقیہ علامہ نوویؒ فرماتے ہیں :

أما المسجد فإنه إذا انهدم وتعذرت إعادته فإنه لا يباع بحال لا إمكان الانتفاع به حالا بالصلوة في أرضه۔ (۲)

جب مسجد منہدم ہو جائے اور اس کو دوبارہ بنانا دشوار ہو جب

(۲) شرح مہذب: ۳۶۱/۱۵

(۱) الشرح الصغير: ۱۲۶/۳

بھی اسے فروخت نہیں کیا جاسکتا، کیوں کہ اس زمین میں نماز کی ادائیگی کے ذریعہ فی الحال بھی اس سے نفع اٹھانا ممکن ہے۔

اس سے بھی زیادہ واضح اور صریح نوویؒ کی یہ عبارت ہے :

وإن وقف مسجد أفخر بـ المكان وانقطعت الصلوة

فيه لم يعد إلى الملك ولم يحز التصرف فيه۔ (۱)

اگر مسجد وقف کی، وہ جگہ ویران ہو گئی وراں میں نماز کا سلسلہ

ختم ہو گیا تو وہ زمین مالک کی ملکیت میں نہیں لوٹے گی اور نہ اس میں اس کا تصرف جائز ہوگا۔

فقہ شافعی کی نہایت مستند کتاب ”روضة الطالبین“ میں ہے :

لو انهدم المسجد أو خربت المحلة حوله وتفرق الناس عنها فتعطل المسجد لم يعد ملكاً بحال ولا يجوز بيعه لا مكان عوده كما كان ولأنه في الحال يمكن الصلاة فيه۔ (۲)

اگر مسجد منہدم ہو جائے یا اس کے گرد و پیش کا محلہ ویران ہو جائے اور لوگ وہاں سے چلے جائیں، چنانچہ مسجد معطل ہو جائے تو اس پر ملکیت لوٹے گی نہیں، اور اس کو فروخت کرنا جائز نہیں ہوگا؛ کیوں کہ آئندہ پھر وہ مسجد بن سکتی ہے، اور اس

(۱) شرح مہذب: ۱۵/۳۶۰

(۲) روضة الطالبین: ۵/۳۵۷

لئے بھی کہ فی الحال اس زمین پر تو نماز پڑھی جاسکتی ہے۔

”حاشیہ اعانة الطالبین“ میں لکھا ہے کہ اس کی کھلی زمین پر اعتکاف بھی کیا جاسکتا ہے، (۱) — نیز ”فتح المعین“ (اعانة الطالبین جس کا حاشیہ ہے) میں لکھا ہے کہ یہ مسجد ہی کے حکم میں اس لئے باقی رہے گی کہ اس زمین میں نماز پڑھنا اور اعتکاف کرنا ممکن ہے، لا مکان الصلاة والاعتکاف فی أرضه۔ (۲)

”زاد المحتاج“ میں ہے :

ولو انهدم مسجد وتعذرت إعادته لم یبع بحال۔ (۳)

اگر مسجد منہدم ہو جائے اور اس ملکہ کو دوبارہ مسجد میں شامل کرنا

ممکن نہ ہو، تب بھی اسے فروخت نہ کیا جائے۔

گویا مسجد کی زمین ہی نہیں، بلکہ فقہاء شوافع کے نزدیک اس کا ملبہ بھی فروخت اور منتقل نہیں کیا جاسکتا؛ البتہ بعض فقہاء شوافع نے اس کی اجازت دی ہے کہ اگر اسی مسجد میں دوبارہ اس کا استعمال متوقع نہ ہو تو حاکم کسی اور مسجد کی تعمیر میں اس ملبہ کو استعمال کر سکتا ہے، وبنی الحاکم بنقضہ مسجداً آخر (۳) — یہ تمام کتابیں جن کا ذکر کیا گیا، فقہ شافعی کی مستند ترین کتابیں ہیں اور ان میں نہایت وضاحت کے ساتھ مسجد کی دائمی حیثیت کو بیان کیا گیا ہے۔

حنا بلہ

فقہ حنبلی میں مختلف اقوال پائے جاتے ہیں اور خود امام احمد بن حنبل کی طرف متضاد رائیں منسوب ہیں، ایک یہ کہ مسجد اپنی جگہ سے منتقل نہیں کی جاسکتی؛ البتہ اگر مسجد ناقابل استعمال ہو جائے

(۲) فتح المعین: ۱۷۹/۳

(۱) اعانة الطالبین: ۱۷۹/۳

(۳) زاد المحتاج: ۲/۳۳۰

(۳) شرح المنهاج: ۲/۳۳۱

تو اس کا ملبہ اور اس کے آلات منتقل کئے جاسکتے ہیں، انھیں بیچ کر اس کی قیمت اسی مسجد کی تعمیر میں بھی لگائی جاسکتی ہے اور ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ اس کو کسی اور مسجد میں استعمال کر لیا جائے، چنانچہ فقہ حنبلی کی معروف کتاب ”الانصاف“ میں ہے :

وعنه لا تباع المساجد لكن تنقل ألتها إلى مسجد

آخر ويجوز بيع بعض ألتہ وصرفها فی عمارتہ۔ (۱)

امام احمد سے مروی ہے کہ مسجدیں بیچی نہیں جاسکتیں؛ البتہ

اس کا سامان دوسری مسجد کو منتقل کیا جاسکتا ہے، نیز ایسا بھی

ہو سکتا ہے کہ بعض سامان فروخت کر دیے جائیں اور اسے

اسی مسجد کی تعمیر میں خرچ کیا جائے۔

بعینہ یہی الفاظ محمد بن قدامہ مقدسی نے لکھے ہیں (۲)، نیز علامہ مقدسی ہی رقم طراز ہیں :

لاتباع المساجد لكن تنقل ألتها إلى مسجد آخر۔

(۳)

مسجدیں بیچی نہیں جائیں گی؛ لیکن اس کا سامان دوسری مسجد کو منتقل کیا جاسکتا ہے۔

نیز فقہ حنبلی کے یہی معروف ترجمان ایک اور موقع پر لکھتے ہیں :

إن المساجد لاتباع وإنما تنقل آلاتها۔ (۴)

مسجدیں فروخت نہیں کی جائیں گی؛ البتہ اس کے آلات منتقل کئے جاسکتے ہیں۔

(۲) دیکھئے: المقنع: ۱۶/۵۲۵

(۳) المغنی: ۵/۳۶۷

(۱) الانصاف علی هامش المقنع: ۱۶/۵۲۲

(۳) الشرح الكبير: ۱۶/۵۲۱

اس طرح کی صراحتیں فقہ حنبلی کی دوسری کتابوں میں بھی ملتی ہیں، اس کے مقابلہ میں دوسرا قول یہ ہے کہ اگر مسجد کی منفعت ختم ہو جائے، تو مسجد کو فروخت کیا جاسکتا ہے اور اس کی قیمت دوسری مسجد میں لگائی جاسکتی ہے، اس سلسلہ میں چند صراحتیں نقل کر دینا مناسب بھی ہے اور علمی دیانت کا تقاضا بھی :

ولا يجوز بيعه إلا أن تتعطل منافعه فيباع ويصرف

ثمّنه في مثله۔ (۱)

مسجد کو فروخت کرنا جائز نہیں، سوائے اس کے کہ اس کے منافع ختم ہو گئے ہوں، کہ اس صورت میں اسے فروخت کیا

جاسکتا ہے۔

فإن تعطلت منافعه بالكلية كدار إنهدمت ...
أو مسجد إنتقل أهل القرية عنه ... جاز بيع البعض
وإن لم يمكن الإنتفاع بشئ منه بيع جميعه - (۲)
اگر اس کے منافع بالکل ختم ہو گئے، جیسے کوئی مکان تھا، منہدم
ہو گیا، یا مسجد تھی اور اس آبادی کے مسلمان وہاں سے
منتقل ہو گئے، تو اگر یہ ممکن ہو کہ اس کا کچھ حصہ بیچ کر
بقیہ کی تعمیر کی جائے، تو کچھ حصہ کو فروخت کرنا جائز ہوگا، اور
اگر اس سے بالکل ہی نفع اٹھانا ممکن نہ ہو تو اس پورے کو بیچا
جاسکتا ہے۔

(۲) الشرح الكبير: ۵۲۲/۱۶

(۱) الانصاف: ۵۲۲/۱۶

حنبلی مسلک — کچھ وضاحتیں

اس طرح کی بعض اور عبارتیں بھی فقہ حنبلی کی کتابوں میں موجود ہیں، لیکن اس سلسلہ میں
چند باتیں قابل غور ہیں :

۱ امام احمدؒ کا جو قول مسجد کی منتقلی کے ناجائز ہونے کا ہے، وہ کتاب و سنت کی نصوص
سے زیادہ ہم آہنگ ہے؛ اس لئے اسے ترجیح ہوگی۔

۲ امام احمدؒ کا یہ قول تفردات میں سے ہے، خود فقہاء حنابلہ نے بھی لکھا ہے: هو من
المفردات (۱)، اور یہ قول جمہور اور اکثر اہل علم کے نقطہ نظر کے خلاف ہے، چنانچہ ”الموسوعة
الفقهية“ میں ہے کہ جمہور فقہاء اسی طرف گئے ہیں کہ اصل مسجد کی جگہ تبدیل نہیں کی جاسکتی ہے

ذهب جمهور الفقهاء إلى عدم جواز إستبدال

المسجد۔ (۲)

اور اصول یہی ہے کہ جو قول شاذ کے درجہ میں ہو اور نوادرات و تفردات میں سے ہو، اسے قبول نہیں کیا جاتا، ورنہ اگر مختلف فقہاء کے شاذ اقوال کو جمع کر لیا جائے تو اس سے گمراہی کا دروازہ کھل سکتا ہے۔

۱ امام احمدؒ کے یہاں بھی یہ گنجائش اس وقت — ایک قول کے مطابق — ہے جب کہ مسجد کی جگہ ناقابل استعمال ہو جائے اور لوگ وہاں سے چلے جائیں، لیکن بابرؒ مسجد کا مسئلہ ایسا نہیں ہے، یہ ایک آباد شہر ہے اور آج بھی مسلمان اس مسجد کو آباد رکھنے کو تیار ہیں۔

۲ امام احمدؒ کا جو قول مسجد کی تبدیلی کے جائز نہ ہونے کے سلسلہ میں ہے، وہ اصول وقف سے زیادہ قریب ہے، چنانچہ خود فقہ حنبلی میں وقف کے سلسلہ میں جو اصول ہے، اس کو ممتاز حنبلی فقیہ ابن قدامہؒ نے ان الفاظ میں لکھا ہے :

(۲) الموسوعة الفقهية: ۳/۲۲۳

(۱) الإنصاف: ۱۶/۵۲۲

ولا يجوز التصرف في الوقف بما ينقل الملك في

الرقبة لقول النبي ﷺ في حديث عمر رضي الله

عنه لا يباع أصلها ، ولا يوهب ، ولا يورث ،

ولأن مقتضى الوقف التأييد وتحبیس الأصل، بدلیل

أن ذلك من بعض ألفاظه، والتصرف في رقبته ينافي

ذلك۔ (۱)

وقف میں ایسا تصرف جائز نہیں، جس کا تعلق اصل شی کی

ملکیت منتقل کرنے سے ہو، کیوں کہ رسول اللہ ﷺ نے

حضرت عمرؓ سے فرمایا: اس کی اصل نہ فروخت کی جائے، نہ ہبہ اور نہ اس میں میراث جاری ہوگی، اور اس لئے بھی کہ وقف کا تقاضا یہ ہے کہ اس کی حیثیت ابدی ہو، اور اصل شئی کو باقی رکھا جائے؛ کہ یہی بات حضور ﷺ کے الفاظ سے مستنبط ہوتی ہے اور اصل شئی میں تصرف کرنا اس کے منافی ہے۔

اس کا تقاضا یہی ہے کہ امام احمدؒ کے یہاں اس قول کو ترجیح ہو، جو دوسرے فقہاء کی رائے کے مطابق ہے، کہ یہ وقف کے عمومی اور بنیادی قاعدہ کے مطابق ہے۔
 ۹ یہ بات بھی قابل لحاظ ہے کہ بہت سے فقہاء حنابلہ نے مسجد کی تبدیلی کی رائے کی مخالفت کی ہے، الانصاف کے مصنف نے نقل کیا ہے کہ قاضی جمال الدین علاقہ نے تبدیلی مسجد والے قول پر فیصلہ کیا :

فعارضه القاضی جمال الدین المرادوی صاحب

(۱) الکافی: ۳/ ۵۸۰

”الانتصار“ وقال حکمہ باطل علی قواعد المذہب
 وصنف فی ذالک مصنفاً رد فیہ علی الحاکم سماہ
 الواضح الجلی فی نقض حکم ابن قاضی الجبل
 الحنبلی“ ووافقه صاحب ”الفروع“ علی ذالک۔

(۱)

تو قاضی جمال الدین مرادوی مصنف ”الانتصار“ نے اس سے سخت اختلاف کیا اور کہا کہ مذہب حنبلی کے قواعد کے مطابق ان کا فیصلہ باطل ہے، اور اس سلسلہ میں قاضی کی

تردید کرتے ہوئے ”الواضح الجلی فی نقض حکم ابن قاضی الجبل الحنبلی“ کے نام سے ایک کتاب بھی تالیف فرمائی، نیز ”الفروع“ کے مصنف نے بھی ان کی موافقت کی ہے۔

اس لئے یہ قول خود فقہ حنبلی میں بھی ایک مرجوح اور نامعتبر قول ہے۔

۹ کسی شخص سے ایک سے زیادہ رائے منقول ہوں اور ان میں باہم تضاد ہو، تو صحیح طریقہ کار یہ ہے کہ دونوں آراء کی ایسی توجیہ و تشریح کی جائے کہ وہ دونوں ایک دوسرے کے موافق ہو جائیں اور ان میں تضاد باقی نہیں رہے، اس لئے امام احمدؒ کے دونوں قول کی اس طرح توضیح کرنی چاہئے کہ مسجد کو تبدیل کرنے کی ممانعت کا تعلق اس زمین سے ہے جس پر مسجد بنائی گئی ہو، کہ وہ ہمیشہ کے لئے مسجد ہی رہے گی، اور تبدیلی و منتقلی سے مراد مسجد کا ملکہ اور اس کی تعمیری اشیاء کی منتقلی ہے، جیسا کہ عام طور پر امام احمدؒ سے منقول ہے :

(۱) الانصاف: ۱۶/۵۲۵

لاتباع المساجد لکن تنقل آلتها إلی مسجد آخر۔ (۱)

مسجدیں نہیں بچی جاسکتیں، لیکن اس کے اسباب و آلات دوسری مسجد کو منتقل کئے جاسکتے ہیں۔

اسی طرح کی وضاحت علامہ شرف الدین مقدسی کی ”الإقناع“ اور فقہ حنبلی کی بعض اور کتابوں میں بھی ملتی ہے، (۲) — اس طرح امام جلیل کے دونوں اقوال کے درمیان کوئی تضاد باقی نہیں رہتا، اس لئے یہی تشریح و توضیح مناسب نظر آتی ہے۔

پس، گویا اہل سنت کے چاروں دبستان فقہ اس بات پر قریب قریب متفق ہیں کہ مسجد کی حیثیت دائمی ہوگی، اور اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی، — اہل سنت میں ایک مکتبہ فکر

اصحاب ظواہر کا تھا، یہ گروہ امام داؤد ظاہری کا متبع تھا اور اس دبستان فقہ کے سب سے بڑے ترجمان علامہ ابن حزم ظاہریؒ تھے، ان کا نقطہ نظر بھی یہی ہے کہ مسجد انسان کی ملکیت سے نکل کر براہ راست اللہ تعالیٰ کی ملکیت میں داخل ہو جاتی ہے، چنانچہ فرماتے ہیں :

قال تعالیٰ: وَأَنَّ الْمَسْجِدَ لِلَّهِ، (۳) فلا یكون مسجداً

إلا خارجاً عن ملک کل أحد دون الله تعالی لا

شریک له۔ (۴)

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: کہ مسجدیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں،

اس لئے مسجد سوائے اللہ تعالیٰ کے جس کا کوئی شریک نہیں، ہر

شخص کی ملکیت سے باہر ہوگی۔

لہذا اگر اسے امت کا اجماعی مسئلہ قرار نہ دیا جائے، تب بھی اس میں کوئی شبہ نہیں کہ امت کے سوا داعظم کا نقطہ نظر یہی ہے۔

(۱) الانصاف: ۱۶/۵۲۲، الشرح الكبير: ۱۶/۵۲۱، المقنع: ۵۲۱/۱۶، وغیرہ

(۲) دیکھئے: الاقناع: ۳/۹۸، المعتمد: ۲/۲۱، وغیرہ

(۳) الجن: ۱۸

(۴) المحلی: ۳/۱۶۲

ایک قابل توجہ پہلو

پھر اس بات کو بھی ملحوظ رکھنا ضروری ہے کہ مسجد کی جگہ کا مسجد باقی نہ رہنا، ایک الگ بات ہے اور اس کو بت خانہ بنا دینا، دوسری بات ہے، جس جگہ کو اللہ تعالیٰ کی عبادت کے ارادہ سے بنایا گیا ہے، اس کو غیر اللہ کی عبادت کا مرکز بنا دینا، یا اس پر صلح کر کے اس کی اجازت دینا صریحاً ظلم اور تعدی ہے، کسی مسلمان کے لئے اس کا تصور بھی ممکن نہیں ہے، قرآن مجید جو قیامت تک کے لئے ہے، اور جس کی نازل کرنے والی ذات یقیناً قیامت تک پیش آنے والے حالات و واقعات سے آگاہ اور علیم وخبیر ہے، اس کے اس ارشاد پر غور کیجئے کہ ”مسجدیں اللہ ہی کے لئے

مخصوص ہیں، لہذا اللہ کے سوا (اس میں) کسی اور کی عبادت نہ کرو؛ (۱) تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ ایسی ہی سوچ کی تردید اور نفی کے لئے صرف مسجد کے اللہ کے لئے مخصوص ہونے پر اکتفاء نہیں کیا گیا، بلکہ یہ بھی واضح کر دیا گیا کہ جو جگہ مسجد کے لئے مخصوص ہو، یہ بات کبھی بھی گوارہ نہیں کی جاسکتی کہ کبھی اسے غیر اللہ کی عبادت کے لئے استعمال کیا جائے؛ اس لئے ان شاذ و نادر اقوال کو سامنے رکھتے ہوئے اس فرق کو نظر انداز نہیں کرنا چاہئے۔

مصلحت کا تقاضا

شریعت کے احکام میں عقل و مصلحت کا بھی ایک خاص درجہ ہے، جس کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا؛ کیوں کہ شریعت کے تمام احکام کی بنیاد مصلحت و منفعت پر ہے، جو بات مصلحت کے بجائے مضرت اور نقصان و فساد کا باعث بنے وہ شریعت میں مطلوب نہیں ہو سکتی؛ لیکن یہ ضرور ہے کہ دنیا میں شاید ہی کوئی مصلحت ہو جس میں نقصان کا پہلو نہ ہو، اور شاید ہی کوئی خلاف مصلحت عمل ہو، جس میں کوئی پہلو نفع کا نہ ہو، غور کیجئے کہ زکوٰۃ و حج کتنی عظیم الشان عبادتیں ہیں، لیکن جو لوگ مادی عینک سے دیکھتے ہیں، انھیں اس میں نقصان نظر آتا ہے، کہ انسان بہت

(۱) ابن: ۱۸۰

سارے پیسوں سے محروم ہو جاتا ہے، نماز میں وقت خرچ ہوتا ہے، اور جہاد میں جان جانے کا اندیشہ ہوتا ہے، دوسری طرف شراب ہے، جو کتنی ہی برائیوں کی جڑ (أم الخبائث) ہے، لیکن دو چار گھڑی ہی کے لئے سہی، سرور اس سے بھی حاصل ہوتا ہے، اور جُؤا باہمی نزاع و جدال کا سبب ہے، لیکن بعض اوقات جیتنے والے کو کچھ مادی نفع بھی حاصل ہو جاتا ہے؛ اسی لئے قرآن مجید نے کہا کہ بمقابلہ ان کے نفع کے ان کا گناہ زیادہ ہے، اِثْمُهُمَا أَكْبَرُ مِنْ نَفْعِهِمَا (۱) — اس لئے دیکھنا یہ ہوگا کہ مصلحت کا پہلو غالب ہے، یا نقصان و مفسدہ کا؟ اور اس کا مفاد بڑھا ہوا

ہے، یا اس کی مضرت؟

مسجد کے مسئلہ پر بھی اس نقطہ نظر سے غور کرنے کی ضرورت ہے، ہندوستان میں اس وقت بابرہی مسجد کا مسئلہ جس گروہ نے اٹھایا ہے، اس کے پاس اپنے موقف کے لئے کوئی دلیل و ثبوت موجود نہیں ہے، نہ اس کے پاس تاریخی شہادت ہے، نہ علم الآثار کی تائید، نہ خود ان کی مذہبی کتابوں کا کوئی ثبوت، صورت حال یہ ہے کہ انگریزوں سے پہلے کبھی اس جگہ کے رام جی کی جائے پیدائش ہونے یا مندر کو توڑ کر مسجد بنانے کا کوئی ذکر نہیں ملتا، نہ ہندو مذہبی کتابوں میں اس مقام کی تعیین ملتی ہے، جہاں مسجد تعمیر کی گئی ہے، نہ موجودہ کھدائی نے ان فرقہ پرست عناصر کے موقف کی تائید کی ہے، اس کا مقصد محض مسلمانوں کی توہین اور شعائر اسلامی کی بے احترامی ہے، اور اس مسجد کو قانون اور اخلاق کے علی الرغم غیر قانونی طور پر بت کدہ بنانے کی کوشش جاری ہے۔

ان حالات میں اگر مسلمانوں نے ہتھیار ڈال دیا اور سپر اندازی اختیار کی، تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ فرقہ پرستوں کے حوصلے اور بڑھ جائیں گے اور اپنے ناپاک منصوبوں کو رو بہ عمل لانا ان کے لئے آسان ہو جائے گا؛ کیوں کہ اس طرز عمل سے ظالموں کے حوصلے بلند ہوتے ہیں، اور مظلوموں میں اپنی عزت نفس کی حفاظت کے لئے جدوجہد کی ہمت ختم ہوتی جاتی ہے، سنگھ

(۱) البقرہ: ۲۱۹

پر یوار کے سامنے صرف ایک مسجد کا مسئلہ نہیں ہے؛ بلکہ پوری طرح غیر ہندو اقوام کو ہندو مذہب یا کم از کم ہندو تہذیب میں جذب کر لینا ان کا مسدود مقصود ہے، اذان کی آواز بھی ان کی طبع نازک پر گراں گذرتی ہے، انھیں یہ بات بھی پسند نہیں ہے کہ مسلمان اسلامی اور عربی نام رکھیں، ملک میں جگہ جگہ عظیم الشان مسجدیں اور ان کے بلند مینارے ان کے لئے گراں خاطر ہیں، اب وہ مسلمانوں کو اس بات کی بھی دعوت دیتے ہیں کہ وہ ہندو تیوہاروں میں شرکت کریں، کیا یہ باتیں مسلمانوں کے لئے قابل قبول ہو سکتی ہیں؟ اگر آپ نے ایک محاذ پر اپنی شکست قبول کر لی، تو یقیناً آپ کو بدتر متح ہر محاذ پر پیچھے ہٹنا پڑے گا۔



دوسرے: موجودہ جبر و دباؤ کے ماحول میں اگر مسجد انھیں سوئپ دی جائے، تو یہ مجرموں کو انعام دینے کے مترادف ہوگا اور یہ رجحان پیدا ہوگا کہ پہلے جرم و زیادتی کا ارتکاب کرو، بالآخر اسے سند جواز حاصل ہو جائے گا، اور وہ بات قبول کر ہی لی جائے گی، ایسی سوچ کا پتہ پنا اور اس کو قوت حاصل ہونا نہایت خطرناک بات ہے، اور اس سے نہ صرف مسلمانوں بلکہ دوسری مذہبی اقلیتوں اور دلتوں پر بھی جو ر و ظلم کی راہ ہموار ہوگی، اس سوچ کو لگام دینا نہ صرف مسلمانوں کے مفاد میں ہے؛ بلکہ اس ملک سے محبت اور بے خواہی کا بھی عین تقاضا ہے، اور یہ اسی وقت ہو سکتا ہے، جب مسجد کے معاملہ میں ایسی صلح نہ کی جائے جو ان کی مجرمانہ حرکتوں کو جواز بخشی ہو۔

تیسرے: مسئلہ اصول کا ہے، اگر ایک مسجد کے بارے میں یہ بات تسلیم کر لی گئی کہ اسے مندر بنایا جاسکتا ہے اور اس مقصد کے لئے حکومت کے حوالہ کیا جاسکتا ہے، تو پھر مقہرا اور بنارس کی عید گاہ اور مسجد بھی نشانہ پر ہیں، اور سنگھ پر یوار کی فہرست میں تو تین ہزار مسجدیں پہلے سے موجود ہیں، اور کچھ ان ہی مساجد پر موقوف نہیں، پھر تودلی کی جامع مسجد اور حیدر آباد کی مکہ مسجد پر بھی دار ہو سکتا ہے، اور کسی بھی مسجد کے بارے میں مسلمانوں سے دستبردار ہونے کا مطالبہ کیا جاسکتا ہے؛ کیوں کہ جب ایک مسجد کی حیثیت تبدیل ہو سکتی ہے، تو دوسری مسجد کی حیثیت بھی بدلی جاسکتی ہے، — اس لئے بابر ی مسجد کے مسئلہ میں دست برداری کا رویہ اختیار کرنا پوری طرح مصلحت اور اُمت کے مجموعی مفاد کے بھی خلاف ہے۔

بعض حضرات خیال کرتے ہیں کہ بابر ی مسجد سے دست برداری اختیار کر لینے کی صورت میں فسادات تھم جائیں گے، اور مسلمانوں کے ساتھ جو معاندانہ رویہ اس وقت روارکھا جا رہا ہے، اسے روکا جاسکے گا، لیکن یہ محض غلط فہمی بلکہ خوش فہمی پر مبنی ہے، ہندوستان میں ایودھیا کا مسئلہ ۱۹۳۵ء میں شروع ہوا، جب مسجد سے باہر کے چبوترے پر رام مندر کے لئے دعویٰ کیا گیا، اور اصل مسجد کا مسئلہ اس وقت کھڑا ہوا، جب اڈوانی نے رتھ یا ترا شروع کی تھی؛ کیوں کہ

راجیوگانڈھی کے شیلانیاس رکھنے کے وقت بھی وی-ایچ-پی نے تحریری تین دیا تھا کہ وہ مسجد کی جگہ کو چھوڑ کر مندر بنائیں گے؛ لیکن کیا اس سے پہلے ہندوستان میں فسادات نہیں ہوئے، ۱۹۴۷ء میں فسادات کے وقت کیا بابری مسجد کا مسئلہ تھا؟ پھر راڈ کیلا، جمشید پور، میرٹھ، مراد آباد اور ملک کے مختلف حصوں میں جو خوں ریز فسادات ہوئے، اس وقت کیا بابری مسجد کا مسئلہ تھا؟ ہندوستان میں بہت معمولی اسباب کے تحت اور اکثر اوقات محض شرارت کی بنیاد پر فسادات ہوئے ہیں، کبھی گاؤ کشی کے نام پر، کبھی ہندو تیوہاروں کے موقع پر، کبھی اس لئے کہ مسجد کے سامنے سے گزرنے والے جلوس نے مسجد کی بے احترامی کی، وغیرہ، اس لئے یہ محض غلط فہمی ہے کہ بابری مسجد کا مسئلہ ختم ہو گیا تو فسادات ختم جائیں گے؛ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اگر ایک جگہ مسلمانوں نے اس مسئلہ میں ظلم کو قبول کر لیا اور پسپائی اختیار کی، تو ہر شہر میں معرکہ آرائی شروع ہو جائے گی، مختلف مساجد اور مسلمانوں کے مذہبی مقامات پر حملہ ہوگا، ان کی حیثیت بدلنے کی کوشش کی جائے گی اور اس وقت اسے تھامنا ممکن نہ ہوگا۔

بعض حضرات یہ بھی کہتے ہیں کہ مومن کے خون کی اہمیت، حرمت مسجد سے زیادہ ہے، اس لئے مسجد حوالہ کر دینی چاہئے، لیکن ایک تو یہ سوچنا ہی درست نہیں ہے کہ بابری مسجد سے دستکش ہو جانے کی صورت میں مسلمانوں کا خون محفوظ ہو جائے گا، اور اس سلسلہ میں تجربات سامنے ہیں، لیکن علاوہ اس کے مساجد شعائر اسلام کی حیثیت رکھتی ہیں، اس لئے ان کی حفاظت جان اور زندگی کی حفاظت سے بھی بڑھ کر ہے، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”من قتل دون دینہ فہو شہید“ (۱)، جو شخص اپنے دین کی حفاظت میں مارا جائے وہ شہید ہے، دین میں عقیدہ بھی شامل ہے، عمل بھی اور اس کے مقدس مقامات بھی، ورنہ اگر یہ بات تسلیم کر لی جائے کہ مسلمان اپنی جان کی حفاظت کے لئے مساجد کو قربان کر سکتے ہیں، تو یہی بات مسجد اقصیٰ کے بارے میں بھی کہی جاسکتی ہے، کہ مسلمان یہودیوں کے مطالبہ کے مطابق اس جگہ ہیکل سلیمانی

کی تعمیر کو قبول کر لیں، تاکہ فلسطینیوں اور عربوں کا خون محفوظ ہو جائے، والعیاذ باللہ۔
 بعض حضرات کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مکی زندگی اس طرح گزاری کہ کعبۃ اللہ میں اور اس سے باہر سینکڑوں بت رکھے ہوئے تھے اور آپ ﷺ نے اس پر خاموشی اختیار کی، اس لئے مسلمانوں کو رام مندر کی بات قبول کر لینی چاہئے؟ — یہ سراسر مغالطہ ہے، رسول اللہ ﷺ نے کبھی بھی کعبۃ اللہ یا اس کے گرد و پیش شرک کو قبول نہیں فرمایا، آپ ﷺ نے ان سے اس کو بت کدہ رکھنے پر کوئی صلح نہیں کی، بلکہ چوں کہ مسلمان مجبور تھے، اس لئے سکوت اختیار فرمایا، اور جوں ہی اس کی اصل حیثیت کو بحال کرنے کی قدرت حاصل ہوئی، آپ ﷺ نے خانہ خدا کو شرک کی آلائشوں سے محفوظ فرما دیا، ہندوستان میں مسلمانوں کا موقف یہی ہے کہ ہم اس مسجد کو حوالہ نہیں کریں گے، اور قانون و آئین کی حدود میں رہتے ہوئے اپنی طاقت کے مطابق اللہ کے گھر کی حفاظت کریں گے، نیز قانون کو اپنے ہاتھ میں نہیں لیں گے، یہی وہ طریقہ کار ہے، جس کو رسول اللہ ﷺ نے مکی زندگی میں اختیار فرمایا تھا۔

اس سلسلہ میں کچھ لوگ صلح حدیبیہ کا حوالہ بھی دیتے ہیں کہ مسلمانوں کو ہندو فرقہ پرستوں

(۱) ابوداؤد: ۴۷۷۲، باب فی قتال اللصوص

سے ”صلح حدیبیہ“ کرنی چاہئے؛ لیکن اس سلسلہ میں دو باتیں قابل توجہ ہیں، اول یہ کہ صلح حدیبیہ میں اپنی دینی شناخت سے دست برداری اور اسلامی تشخصات سے محرومی کی قیمت پر کوئی صلح نہیں کی گئی تھی، دوسرے یہ صلح حدیبیہ یکبارگی نہیں ہوئی تھی، آخر مکی زندگی میں یہ صلح کیوں نہیں ہو سکی، بدر و احد اور خندق کی جنگیں ہوئیں اور اس وقت یہ صلح کیوں نہ ہو پائی، حالاں کہ حضور ﷺ تو ہمیشہ سے صلح چاہتے تھے، جب غزوہ خندق میں مسلمانوں کے خلاف زیادہ سے زیادہ طاقت کا استعمال کر لیا گیا اور کامیابی حاصل نہیں ہو سکی، تبھی صلح حدیبیہ ہو سکی؛ اس لئے یہ خیال کرنا کہ موجودہ حالات میں (جب کہ فرقہ پرست عناصر بام اقتدار پر چڑھ کر ہندو رقص

کرنے کے موقف میں ہیں) ان سے صلح حدیبیہ ہو سکے گی، محض بھول اور خوش فہمی ہے، اس حالت میں ایسی ہی صلح ہو سکتی ہے، جس میں ایک گروہ اپنی مظلومیت کو قبول کر لے اور مستقل طور پر اسی حالت میں رہنے کو آمادہ ہو۔

اس لئے حقیقت یہ ہے کہ کتاب و سنت، اُمت کے سوا داعظم کے اتفاق اور مصلحت ہر پہلو سے اس مسئلہ میں اُمت کے اس موقف سے انحراف درست نہیں؛ بلکہ مسجد سے دستبرداری سراسر مسلمانوں کے مفاد کے خلاف ہے، اور اگر بالفرض اس کو قبول کر لیا گیا تو یہ ایسی ہزیمت اور پسپائی ہوگی کہ مسلمانوں کو ہر قدم پر پیچھے ہٹنا ہوگا، اور ہر مطالبہ پر سر تسلیم خم کرنا پڑے گا، یہاں تک کہ ان کے لئے خدا نخواستہ اور ہزار بار خدا نخواستہ اپنی شناخت کو باقی رکھنا بھی دشوار ہو جائے گا، واللہ هو المستعان۔







